محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم

مخالفتوں کے دَور سے گذرتے ہوئے

نعیم صدیقی

(گذشتہ سے پیوستہ)

حضرت عائشہ کی آپ بیتی اس طوفانِ عظیم میں حضرت عائشہ کے سفینۂ قلب و روح پر جو کچھ گذری اس کی مستند تفصیل خود آنجناب اور دوسرے رواۃ کی زبانی حدیث، سیرت اور تاریخ کی اہم کتابوں میں محفوظ ہے میرے سامنے اس وقت زاد المعاد (ملاحظہ ہو: ج ۲ ص ۱۱۳-۱۱۵) اور سیرت ابن ہشام (ملاحظہ ہو ج ۳ ص ۲۹۷-۳۰۲) جیسے مستند مآخذ ہیں لیکن چونکہ صاحب تفہیم القرآن نے حضرت عائشہ کی روداد اِلم کا بہترین الفاظ میں ترجمہ کردیا ہے۔ لہٰذا اسی کو مستعار لیتا ہوں[1]:۔

مدینہ پہنچ کر میں بیمار ہوگئی اور ایک مہینے کے قریب پلنگ پر پڑی رہی۔ شہر میں اس بہتان کی خبریں اڑ رہی تھیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں تک بھی بات پہنچ چکی تھی۔ مگر مجھے کچھ پتہ نہ تھا، البتہ جو چیز مجھے کھٹکتی تھی وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ توجہ میری طرف نہ تھی جو بیماری کے زمانے میں ہوا کرتی تھی۔ آپؐ گھر میں آتے تو بس یہ پوچھ کر رہ جاتے کیف تیکم (کیسی ہیں یہ؟) اس سے زائد کوئی کلام نہ کرتے۔ اس سے مجھے شبہ ہوتا کہ کوئی بات ہے ضرور۔ آخر آپ سے اجازت لے کر میں اپنی ماں کے گھر چلی گئی تاکہ وہ میری تیمارداری اچھی طرح کرسکیں۔ ایک روز رات کے وقت حاجت کے لیے میں مدینے کے باہر گئی اُس وقت تک ہمارے گھروں میں یہ بیت الخلاء نہ تھے اور ہم لوگ جنگل ہی جایا کرتے تھے۔ میرے ساتھ

---

[1] ماہنامہ ترجمان القرآن جلد ۵۴ عدد ۲ ص ۱۷-۱۹

مسطح بن اثاثہ کی ماں تھیں جو میرے والد کی خالہ زاد بہن تھیں (دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پورے خاندان کی کفالت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے ذمے لے رکھی تھی، مگر اس احسان کے باوجود مسطح بھی ان لوگوں میں شریک ہو گئے تھے جو حضرت عائشہ کے خلاف اس بہتان کو پھیلا رہے تھے) راستے میں ان کو ٹھوکر لگی اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا: غارت ہو مسطح۔ میں نے کہا: اچھی ماں ہو جو بیٹے کو کوستی ہو، اور بیٹا بھی وہ جس نے جنگ بدر میں حصہ لیا ہے۔ انھوں نے کہا: بیٹیا! کیا تجھے اس کی باتوں کی کچھ خبر نہیں؟ پھر انھوں نے سارا قصہ سنایا کہ افترا پرداز لوگ میرے متعلق کیا باتیں اڑا رہے ہیں۔ (منافقین کے سوا خود مسلمانوں میں سے جو لوگ اس فتنے میں شامل ہو گئے تھے ان میں مسطح، حسان بن ثابت مشہور شاعرِ اسلام، اور حمنہ بنت جحش، حضرت زینب کی بہن کا حصہ سب سے نمایاں تھا) یہ داستان سن کر میرا خون خشک ہو گیا۔ وہ حاجت بھی بھول گئی جس کے لیے آئی تھی۔ سیدھی گھر گئی اور رات بھر رو رو کر کاٹی۔ (اس موقع پر ابن ہشام کی نقل ہوئی روایت میں یہ الفاظ بڑے اہم ہیں کہ رونے کا عالم یہ رہا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔" ن ص)

حضرت عائشہ اس کرب میں جان گھلا رہی تھیں لیکن شہر بھر میں چہ میگوئیوں کا ایک چکر چل رہا تھا۔ ان کی طرف سے سب سے بڑھ کر صفائی دے سکنے والے ان کے والد اور شوہر ہی ہو سکتے تھے جو ان کے ذہن و کردار کا قریبی اور تفصیلی علم و تجربہ رکھتے تھے۔ مگر اس طرح کے بہتان جب ظالم لوگ لگا دیتے ہیں تو جو جتنا قریبی ہوتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ پیچیدگی میں پڑ جاتا ہے۔ اس کی صفائی بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ والد اور شوہر دونوں دم بخود تھے اور چار رجانب سے زبانوں کے چھوڑے ہوئے تیر کھا رہے تھے۔

انسانیت کے محسنِ اعظم پر یہ گھڑیاں جس درجہ شاق گذری ہوں گی ــ ذاتی لحاظ سے بھی، اور تحریک کے مفاد کے لحاظ سے بھی ــ ان کا کچھ تھوڑا اندازہ ہر شریف اور حساس اور ذمہ دار آدمی کر سکتا ہے۔ ہمہ سکوت سے بہت کام لیا، لیکن اس نازک معاملہ کو موجودہ حالت میں معلق تو نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ ادھر یا ادھر کوئی ایک فیصلہ ناگزیر تھا۔ سو حضورؐ نے غیر جانبدارانہ طریق سے تحقیق شروع کی۔ اپنے دو قریبی رفقا حضرت علیؓ اور حضرت اسامہ بن زید کو طلب فرمایا اور ان سے رائے طلب کی۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا: "یارسول اللہ!

وہ آپ کی زوجۂ محترمہ ہیں اور ہم ان کے بارے میں بجز خیر کے کچھ نہیں پاتے، یہ سب کچھ کذب اور باطل ہے۔ جسے پھیلایا جا رہا ہے[1]۔ حضرت علیؓ نے بالکل دوسرے ہی پہلو سے مسئلے کو لیا اور فرمایا: "یا رسول اللہ عورتوں کی کمی نہیں، آپ اس کے بجائے دوسری بیوی کر سکتے ہیں۔ یوں آپ لونڈی کو بُلا کر تحقیق فرمالیں[2]۔" یہاں بھی حضرت علیؓ کا منشا یہ تھا کہ بجائے اس کے کہ حضورؐ پریشان رہیں، کیوں نہ ایسی بیوی کو طلاق دے کر دوسرا نکاح کر لیں جس کے بارے میں ایک طوفان اٹھا دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے خاص رشتے کی وجہ سے اس معاملے کے تحریکی پہلو کی بہ نسبت حضور کی ذاتی پریشانی کو زیادہ اہمیت دی اور وہ رائے دی جس سے آپ اس ذہنی الجھن سے نکل کر مطمئن ہو جائیں۔

تاہم حضرت علیؓ کے مشورہ کا دوسرا جزء سرورِ عالم نے قبول فرمالیا اور اس کے مطابق گھر کی خادمہ کو طلب کیا گیا۔ حضرت علیؓ نے چھوٹتے ہی اسے آڑے ہاتھوں لیا اور مار کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ سچ کہہ دو۔ اس نے کہا: "خدا کی قسم میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی اور میں اس کے علاوہ اور کوئی نقص عائشہؓ میں نہیں نکال سکتی کہ میں آٹا گوندھتی تھی اور کہہ کر جاتی کہ ذرا اسے دیکھتی رہنا، اور وہ پڑی پڑی سو جاتیں اور بکری آ کر آٹا کھا جاتی[3]"۔ اس بے ساختہ بیان میں خادمہ نے جتنی مکمل صفائی حضرت عائشہ کی دے دی تھی اس پر کوئی دوسرا بیان مشکل ہی سے اضافہ کر سکتا ہے اس نے ایک ایسی بھولی بھالی اور سادہ منش لڑکی کا حقیقی نقشہ پیش کر دیا جس نقشے میں کسی شر کو انسانی عقل نصب نہیں کر سکتی۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسرا اقدام تحریکِ اسلامی کے سربراہ کارِ اعلیٰ نے یہ کیا کہ مجلسِ عام میں خطاب فرمایا۔ حمد و ثنا کے بعد بڑے درد بھرے الفاظ زبان سے نکلے:

"آخر ان لوگوں کا مدعا کیا ہے جو مجھے میرے اہلِ خانہ کے بارے میں دُکھ دیتے ہیں اور ان کے متعلق خلافِ واقعہ باتیں کہتے پھرتے ہیں۔ خدا کی قسم، اُن کے بارے میں بجز بھلائی کے کوئی اور بات میرے علم میں نہیں ہے اور وہ یہ بات ایک ایسے شخص کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کی طرف سے بھی بھلائی کے سوا میرے علم میں کوئی اور بات نہیں ہے۔ اور اُس نے میرے کسی گھر میں بھی میری موجودگی کے بغیر کبھی قدم نہیں رکھا۔

[1] سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۳۴۶ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً [4] سیرت ابن ہشام کی روایت کے بموجب واقعہ کا یہ جزء ترتیبِ وقوع کے لحاظ سے مقدم تھا۔ ملاحظہ ہو ج ۳ ص ۳۴۶ [5] سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۳۴۵۔

دوسری روایت میں ابتدائی الفاظ یہ ہیں :

"کوئی ہے جو مجھے اس شخص سے بچائے جو میرے گھر والوں کے بارے میں مجھے ایذا دیتا ہے[1]؟"

یہ سن کر قبیلہ اوس کے سردار اُسید بن حضیر نے اٹھ کر عرض کیا : "یا رسول اللہ! اگر ایسے لوگ ہمارے قبیلے کے ہوں تو ہم ان سے نمٹ لیں گے اور اگر ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہوں تو آپ حکم دیں، خدا کی قسم! ایسے لوگ اس قابل ہیں کہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں"۔ دوسری طرف سے خزرجیوں کے سردار سعد بن عُبادہ بھناکر اُٹھے اور کہا " جھوٹ کہتے ہو، بخدا ہم ان کی گردنیں نہیں ماریں گے۔ ہاں ہاں! خدا کی قسم، تم نے یہ بات اسی بنا پر کہی ہے کہ ان کا تعلق خزرج سے ہے" حضرت سعد کا یہ خلاف توقع جواب اُسید بن حضیر کو سخت ناگوار گزرا۔ انھوں نے غالباً یہ محسوس کیا ہو گا کہ جس جماعت میں مجرموں اور فسادیوں اور شرپسندوں کو پناہ اور سرپرستی کسی نمایاں شخصیت کی طرف سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے لیے اجتماعی ماحول کی تطہیر آسان نہیں رہتی۔ عبداللہ بن ابی ہمیشہ تحریکوں میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، لیکن ایک مضبوط اور خود شناس نظام جماعت کا معدہ ایسی مکھیوں کو جزوِ بدن نہیں بننے دیتا بلکہ اُگل کر پھینک دیتا ہے۔ البتہ اگر کسی شرپسند کو کسی نظام جماعت کے اندر ممتاز اور مضبوط افراد اپنے پروں کے نیچے لینے والے مل جائیں تو پھر مارہائے آستین پرورش پاتے رہتے ہیں اور جماعتوں کو ان کے ڈنک کھانے پڑتے ہیں۔ اسی تلخ حقیقت کے احساس کی بنا پر حضرت اُسید شدت جذبات میں بول اُٹھے : " غلط تم کہتے ہو، بخدا! بلکہ تم خود منافق ہو: جبھی منافقوں کی وکالت و حمایت کرتے ہو[2]"

یہ ناخوشگوار صورت اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ اوس و خزرج کے درمیان کھچاؤ پیدا کرنے کے لیے بھی تو متواتر فتنہ کی بارود بچھائی جارہی تھی۔ جبھی ذرا سی بات پر جذباتی ہیجان پیدا ہو گیا اور جماعت کے دوگونہ عناصر متحرک ہو گئے۔ کچھ ادھر سے اُٹھے، کچھ اُدھر سے، اور قریب تھا کہ اوس و خزرج باہم دگر گتھ جائیں۔ دونوں قبیلوں کو شیر و شکر کرنے والے قائد جلیل کو یہ گوارا نہ تھا کہ برسوں کی محنت سے بندھا ہوا یہ شیرازہ اس کی ذات کی وجہ سے درہم برہم ہو جائے، اور خود تحریک ہی کی چولیں ہل جائیں۔ آپؐ منبر سے اُتر آئے، لوگوں کو ٹھنڈا کیا

[1] زاد المعاد ج ۲ ص ۱۱۳ ۔ [2] سیرت ابن ہشام۔ ج ۳ ص ۳۱۵

اور مجلس برخاست کر دی۔

حضورؐ کے لیے جماعت کے اس کمزور پہلو کا یہ نیا تجربہ پہلی پریشانی میں کتنے اضافہ کا موجب بن گیا ہوگا۔ یہ دراصل عصبیت کی وہی بارود پھٹ رہی تھی جسے عبداللہ بن ابی غزوۂ بنی المصطلق کے موقع پر دلوں کی گہرائیوں میں بچھا چکا تھا۔

کہانی کا آخری حصہ بھی، جس نے حزینہ کو طربیہ بنا دیا، خود اس کہانی کے مرکزی کردار (حضرت عائشہ رضؓ) کی زبانی ہی سنیے :۔

اس بہتان کی افواہیں کم و بیش ایک مہینے تک شہر میں اڑتی رہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخت اذیت میں مبتلا رہے۔ میں روتی رہی۔ میرے والدین انتہائی پریشانی اور رنج و غم میں مبتلا رہے۔ آخرکار ایک روز حضورؐ تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھے۔ اس پوری مدت میں آپ کبھی میرے پاس نہ بیٹھے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور اُمّ رومان (حضرت عائشہ رضؓ کی والدہ) نے محسوس کیا کہ آج کوئی فیصلہ کن بات ہونے والی ہے۔ اس لیے وہ دونوں بھی پاس آکر بیٹھ گئے۔ حضورؐ نے فرمایا! عائشہ مجھے تمہارے متعلق یہ خبریں پہنچی ہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری برأت ظاہر فرما دے گا۔ اور اگر تم کسی گناہ میں مبتلا ہوئی ہو تو اللہ سے توبہ کرو اور معافی مانگو، بندہ جب اپنے گناہ کا معترف ہو کر توبہ کرتا ہے تو اللہ معاف کر دیتا ہے۔ یہ بات سُن کر میرے آنسو خشک ہو گئے (بے گناہ آدمی سے اسی فطری کیفیت کی توقع کرنی چاہیے۔ ن م) میں نے اپنے والد سے عرض کیا: آپ رسول اللہ کی بات کا جواب دیں انھوں نے فرمایا، بیٹی! میری کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔ میں نے اپنی والدہ سے کہا: آپ ہی کچھ کہیں انھوں نے بھی یہی کہا کہ میں حیران ہوں، کیا کہوں۔ اس پر میں بولی، آپ لوگوں کے کانوں میں ایک بات پڑ گئی ہے اور دلوں میں بیٹھ چکی ہے، اب اگر میں کہوں کہ میں بے گناہ ہوں ـــــ اور اللہ گواہ ہے کہ میں بے گناہ ہوں ـــــ تو آپ لوگ نہ مانیں گے، اور اگر خواہ مخواہ ایک ایسی بات کا اعتراف کروں جو میں نے نہیں کی ـــــ اور اللہ جانتا ہے کہ میں نے نہیں کی ـــــ تو آپ لوگ مان لیں گے۔ میں نے اس وقت حضرت یعقوبؑ

سلہ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ سیرت ابن ہشام ج ۳ ص۳۴۵۔

کا نام یاد کرنے کی کوشش کی مگر یاد نہ آیا ۔ (ایک بے گناہ جب کسی بھاری الزام کی زد پہ آ کر لانحل اضطراب میں پڑتا ہے تو اس کے عالم نفسیات میں ایسے ہی حوادث صادر ہوتے ہیں ۔ ن ۔ص) آخر میں نے کہا، اس حالت میں میرے لیے اس کے سوا اور کیا چارہ ہے کہ وہی بات کہوں جو حضرت یوسفؑ کے والد نے کہی تھی کہ فصبرٌ جمیل (اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جب کہ حضرت یعقوبؑ کے سامنے ان کے بیٹے بن یمین پر چوری کا الزام بیان کیا گیا تھا) یہ کہہ کر میں لیٹ گئی اور دوسری طرف کروٹ لے لی ۔ (بے بسی اور اس کے ساتھ یہ عالم بے نیازی پھر اسی نفسیاتی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے جب کہ کسی بے گناہ پر کوئی الزام چیپکا گیا ہو ۔ ن ص)

اس وقت اپنے دل میں کہہ رہی تھی کہ اللہ میری بے گناہی سے واقف ہے اور وہ ضرور حقیقت کھول دے گا اگرچہ یہ بات تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ میرے حق میں وحی نازل ہوگی جو قیامت تک پڑھی جائے گی میں اپنی ہستی کو اس سے کم تر سمجھتی تھی کہ اللہ خود میری طرف سے بولے ۔ مگر میرا یہ گمان تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خواب دیکھیں گے جس میں اللہ تعالےٰ میری برأت ظاہر فرما دے گا ۔ اتنے میں یکایک حضورؐ پر وہ کیفیت طاری ہوگئی جو وحی نازل ہونے وقت ہوا کرتی تھی ، حتیٰ کہ سخت جاڑے کے زمانے میں بھی موتی کی طرح آپ کے چہرے سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے ۔ ہم سب خاموش ہو گئے ۔ میں تو بالکل بے خوف تھی ۔ مگر میرے والدین کا حال یہ تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں ، وہ ڈر رہے تھے کہ دیکھیے اللہ کیا حقیقت کھولتا ہے جب وہ کیفیت دور ہوئی تو حضورؐ بے حد خوش تھے ۔ آپؐ نے ہنستے ہوئے پہلی بات جو فرمائی وہ یہ تھی کہ مبارک ہو عائشہؓ ! اللہ نے تمہاری برأت نازل فرما دی اور اس کے بعد حضورؐ نے دس آیتیں سنائیں ۔ میری والدہ نے کہا کہ اٹھو اور رسول اللہ کا شکریہ ادا کرو ۔ میں نے کہا ، میں نہ ان کا شکریہ ادا کروں گی ، نہ آپ دونوں کا ! بلکہ اللہ کا شکر کرتی ہوں جس نے میری برأت نازل فرمائی ۔ آپ لوگوں نے تو اس بہتان کا انکار تک نہ کیا[۱] (ذرا یہ شکوہ بھرا غیورانہ اندازِ گفتگو ملاحظہ ہو ، کیا یہ کسی مجرم ضمیر کی ترجمانی کرتا ہے ؟ ن ص)

اس آپ بیتی کا سر بسر لفظ بول کر کہہ رہا ہے کہ یہ ایک بے گناہ کی داستانِ درد ہے جو ہر تصنع سے پاک ہے اور جس میں حقیقی کرب کا بے ساختہ اظہار ہے ۔

---

[۱] تفہیم القرآن ۔ ماخوذ از ماہنامہ ترجمان القرآن جلد ۴۵ عدد ۵ صفحہ ۱۰-۹

تبصرہ، تجزیہ اور تزکیہ | پروپگنڈہ کے اس طوفان اور اس کے پیدا کردہ بُحران (CRISIS) کی اتھاہ تاریکیوں کا توڑ کرنے کے لیے یکایک افقِ وحی چمک اٹھا۔ معاشرے کے ذہنی عالم میں صبحِ الہام نمودار ہوئی اور آیاتِ بینات کی کرنیں روحانی فضاؤں میں رقص کرنے لگیں۔ کیا ہی خوب مناسبت تھی کہ جو سورۃ اس بُحران کا ازالہ کرنے اُتری، اس کا نام سورۃ نور قرار پایا۔ اس سورۃ میں جماعت اور معاشرہ پر تبصرہ کیا گیا، اس کی کمزوریاں واضح کی گئیں اور ان کمزوریوں سے اسے مستقل طور پر پاک کر دینے کے لیے قانونی اور اخلاقی ہدایات دی گئیں۔

اس معرکہ آرا سورۃ کے مضمون کی اٹھان ہی چونکا دینے والی ہے۔ فرمایا گیا۔۔

" یہ ایک سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے اور جسے ہم نے ذمہ داری کے طور پر ....
(اسلامی معاشرے کے لیے) لازم ٹھہرایا ہے اور جس میں ہم نے نہایت واضح باتیں پیش کر دی ہیں
شاید کہ تم لوگ ان سے استفادہ کرو! (آیت ۱)

اب سورۂ نور کی صدا معاشرے میں گونجتی ہے :

" جو لوگ یہ بہتان گھڑ کر لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولا ہیں"..... جس نے اس میں جتنا حصہ لیا، اس نے اتنا ہی گناہ سمیٹا، اور جس شخص نے اس کی ذمہ داری کا بڑا حصہ اپنے سر لیا۔ اس کے لیے تو عذابِ عظیم ہے۔ (آیت ۱۱)

کتنا بڑا طنز ہے، کہ ایک ایسے تہمت الزام جس کے لیے کوئی واضح قرینہ تک موجود نہ تھا وہ ایک طوفان کی طرح اٹھا اور کسی بیرونی دشمن اور حریف کی طرف سے نہیں، بلکہ خود برسوں کی تربیت یافتہ مسلم جماعت کے اپنے اندر سے اٹھا۔ پھر یہ ایک آدھ آدمی کی وقتی لغزش نہ تھی، مہینہ بھر تک ایک ٹولے کا ٹولا ذہنی مد و جزر پیدا کرتا رہا۔ بتایا جا رہا ہے کہ تمہارے جماعتی ماحول میں یہ کمزوری موجود ہے کہ اس کے معمار ہی اس کی تباہی کی مہم چلا دیں۔ اس فضا میں ایسے رخنے ہیں کہ علمبردارانِ صداقت کی سوسائٹی میں جھوٹ برگ و بار لائے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ یہ بہتان نہیں تھا، عصیان کی ایک بہتی گنگا تھی جس سے کسی نے خم اور کسی نے جام بھرا اور کسی نے چلو ہی لیا ۔۔۔ سو جس نے جتنا بھی حصہ لیا اپنے لیے بُرائی ہی سمیٹی۔ پھر اشارہ کیا گیا اُس سرخیلِ فتنہ اور اُس امامِ شر کی طرف جس نے پہلی چنگاری ڈالی تھی اور پھر برابر شعلوں کو دامن سے ہوا دیتا رہا۔ یعنی عبداللہ بن اُبَی

سورۂ نور سوال کرتی ہے کہ :-

"جس وقت تم لوگوں نے اسے سنا تھا اسی وقت کیوں نہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں نے اپنے آپ سے نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح بہتان ہے" (آیت ۱۲)

کتنا اخلاقی اپیل ہے اس میں ـــ شریفانہ جذبات اور مومنانہ حس کے لیے کتنا تیز کچوکا ہے ان الفاظ میں ، مدعا یہ ہے کہ محض اتنی سی بات کہ اسلامی معاشرہ کی ایک شریف ترین خاتون قافلے سے بچھڑ جاتی ہیں اور اسی معاشرے کا ایک دوسرا معزز رکن اُن کو راستے میں پا کر ساتھ لے آتا ہے ، تمہارے لیے درجۂ آخر کی بدگمانی کی بنیاد کیوں بن گئی ؟ کیا تم میں سے کوئی مرد و عورت ایک اتفاقی حادثے کے طور پر اس صورت سے دوچار ہوتا تو وہ لازماً اسی پستی میں گرتا ؟ کیا اپنے اخلاق و کردار کے بارے میں تمہارا اندازہ یہی تھا ؟ کیا تمہارے معاشرے کی سطح اتنی گری ہوئی ہے کہ اس کے دو افراد اگر اتفاقاً علیحدگی میں رہ جائیں تو وہ بدکاری سے ورے ورے نہیں رک سکتے ! اگر تم اپنے بارے میں اس پستی کا تصور نہیں کر سکتے تو تمہیں اپنی جماعت کی ایک بہترین خاتون اور اس کے ایک ممتاز کارکن کے بارے میں ایسا ذلیل تصور باندھنے کا کیا حق تھا ؟

اور اس معاشرے کی بڑی اکثریت اس دورِ بحران میں بھی اپنی اخلاقی عظمت پر قائم تھی ورنہ اگر سارا جسم اس زہر کو قبول کر لیتا اور اس کی ذہنی مدافعت کرنے میں عاجز رہ جاتا تو یہ حملہ اس کا شیرازۂ وجود بکھیر کر رکھ دیتا کتنا صحیح ردِ عمل تھا حضرت ابو ایوب انصاری کا جب ان کی بیوی نے اُن سے ان گندی افواہوں کا تذکرہ کیا وہ کہنے لگے : "ایوب کی ماں ! اگر تم عائشہ کی جگہ اُس موقع پر ہوتیں تو کیا ایسا فعل کرتیں ؟" وہ بولیں "خدا کی قسم ! میں یہ حرکت ہرگز نہ کرتی"۔ حضرت ابو ایوب نے کہا "تو عائشہ تم سے بدرجہا بہتر ہیں ۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر صفوان کی جگہ میں ہوتا تو اس طرح کا خیال تک نہ کر سکتا تھا ، صفوان تو مجھ سے اچھا مسلمان ہے[۱]۔

سورۂ نور اس گندے بہتان کو پھیلانے والوں کا دامن پکڑ کر پوچھتی ہے کہ آخر تمہیں کیا ہو گیا تھا تم نے کیوں نہ ابو ایوب انصاری کا سا ردِ عمل دکھایا ؟

اس کے بعد سورۂ نور قانونی نقطۂ نظر سے سوال اٹھاتی ہے کہ :-

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج ۳ صفحہ ۳۴۷

"وہ لوگ (اپنے الزام کے ثبوت میں) چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔" (آیت ۱۳)

یعنی کسی مرد و عورت کی عصمت کے دامن پر دھبا ڈالنا محض ایک دل لگی نہیں ہے، یہ ایک سنگین معاملہ ہے اور اس پر ایک زندہ نظامِ معاشرہ میں قانونی کارروائی واجب ہو جاتی ہے۔ جس طرح کسی شریف شہری کے بارے میں اٹھ کر یہ کہہ دینا کہ اس نے قتل کیا ہے، اس نے چوری کی ہے، اسی طرح ـــ بلکہ اس سے بڑھ کر ـــ یہ دعویٰ کرنا کہ فلاں شخص نے بدکاری کی ہے ایک سرسری سی بات نہیں ہے کہ آئی گئی ہو جائے۔ یہ انتہائی ذمہ دارانہ احساس چاہتی ہے۔ ایسے الزام لگانے پر ان کا ثبوت دینا اور ان کے لیے قانونی شہادت فراہم کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اب جو لوگ اسلامی معاشرہ کے دو شریف اور معزز شہریوں کے متعلق اپنی آنکھوں سے کوئی بات دیکھے بغیر محض افسانہ طرازی کے طور پر ایک بہتان کا چرچا کرتے پھر رہے ہیں، ان کا فرض یہ ہے کہ وہ ثبوت اور شہادت لائیں، ورنہ قانون کے مطابق وہ خود جھوٹے اور مجرم ہیں۔

پھر سورۂ نور مسلم معاشرہ کے کمزور عنصر کی کمزوری کو نمایاں کرتی ہے کہ:

"(ذرا غور تو کرو، اس وقت تم کیسی سخت غلطی کر رہے تھے) جب کہ تمھاری ایک زبان سے دوسری زبان اس جھوٹ کو لیتی چلی جا رہی تھی اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جا رہے تھے جس کے متعلق تمھیں کوئی علم نہ تھا۔ تم نے اسے ایک معمولی بات سمجھا، حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بڑی بات ہے۔ کیوں نہ اسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا، سبحان اللہ، یہ تو ایک بہتانِ عظیم ہے۔" (آیت ۱۵، ۱۶)

یہ کسی بھی معاشرے اور کسی بھی نظامِ جماعت کی ـــ خصوصاً جب کہ وہ دنیا بھر کی اخلاقی اصلاح کے لیے قائم ہوا ہے اور اس کے زیرِ اثر ایک تمدنی و سیاسی تحریک بھی چل رہی ہو ـــ بڑی بھاری کمزوری ہے، کہ اس میں بے سروپا اور بیہودہ اور غیر ذمہ دارانہ باتوں کا آسانی سے چلن ہو سکے۔ کان جو کچھ سنیں، اٹھا کر دل میں رکھ لیں اور دل زبانوں کے حوالے کر دیں اور زبانیں آگے منتقل کرتی چلی جائیں۔ کوئی غور و تامل نہ ہو، کوئی تحقیق نہ ہو۔ کوئی ردّوکد نہ ہو اور کسی جگہ جا کر سلسلہ رکے نہیں۔ جو جس کے خلاف جیسے کچھ کلمات بھی کہنا چاہے، بالکل چھوٹ ہو، جو جس کی پگڑی اچھالنا چاہے اسے پوری آزادی ہو اور جو جس کے دامنِ عفت کی دھجیاں بکھیرنا چاہے ماحول اسے وسیع موقع بہم پہنچا دے۔ اچھا چمنِ افکار و کردار ہو گا جس میں فتنہ کا مالی کانٹے بوتا رہے

اور زبانوں کی کیاریاں کانٹے اگاتی رہیں۔ جس معاشرے میں سرورِ عالم اور عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور صفوان جیسی ہستیاں ایک منافق کے چھوڑے ہوئے شوشے سے محفوظ نہیں رہ سکیں اس میں اور کس کی عزت و آبرو کی خیر ہوگی۔

سورۂ نور کی آواز میں ایک گونج اور پیدا ہوئی :۔

"جو لوگ پاک دامن اور بھولی بھالی ایمان دار عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں۔ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے"۔ (آیت ۲۳)

اس آیت میں تو گویا حضرت عائشہؓ کے کردار کی تصویر کھینچ کر رکھ دی گئی۔ ایک ایمان دار اور پاک دامن خاتون جو مزاج کی سیدھی سادی تھیں اور جن کو تصور تک نہ تھا کہ بدچلنی کیا ہوتی ہے اور کیسے کی جاتی ہے اور جن کے حاشیۂ خیال میں بھی کبھی یہ اندیشہ نہ گذرا ہوگا کہ کوئی ان پر بھی ایک گھناؤنا الزام لگا دے گا۔ اس آیت میں ان کی مظلومیت پوری طرح بول رہی ہے۔ مظلومیت کی یہ تصویر اخلاقی طور پر ایک ایک دل کو جھنجھوڑ دیتی ہے۔

بدقسمتی سے جو مخلص، ایمان دار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت اور تحریک کے وفادار افراد اس سیلِ تند و تیز میں بہہ گئے تھے۔ ان میں سے ایک وہ ہستی بھی جس نے تحریک کی بڑی خدمات انجام دی تھیں اور جس نے اس کے فکری ادبی مرثیے میں اضافہ کیا تھا۔ یہ تھے حسان بن ثابت۔ سورہ نور کی الہامی شعاعیں جن حساس لوگوں کے دلوں میں نشتر بن کر اتر رہی تھیں آج حسان بھی تھے ان کے زمرے میں تھے۔ ان کا مرتبہ دائرہ تحریک اور دربار نبوت میں خاص اونچا تھا۔ مختلف مواقع پر حضورؐ بطور خاص فرمائش کرتے اور توجہ دلاتے کہ شعر و ادب کی جاہلی طاقت کے حملوں کا جواب شعر و ادب ہی سے دیں اور اسلام کی ترجمانی کریں اس سعادت کا تصور کیجیے کہ محسنِ انسانیت نے حسان کو خود منبر پر بٹھایا کہ وہ اسلامی تحریک کا ترانہ الاپیں۔ ان کے اسی مرتبہ کا لحاظ خود حضرت عائشہؓ کو اس قدر تھا کہ اس بحرانی دور کے گذر جانے کے بعد وہ ہمیشہ ان کی عزت کرتی رہیں۔ بسا اوقات ان کو یاد دلایا جاتا کہ اس شخص نے آپ کے خلاف کیچڑ اچھالنے کی مہم میں حصہ لیا تھا تو وہ شرافتِ نفس کے انتہائی بلند مقام سے فرماتیں کہ جانے دو، انھوں نے مخالف اسلام شعرا کو رسولِ اکرمؐ، اور اسلامی تحریک کی طرف سے ہمیشہ پرزور جواب دیا ہے اور شاعری کے محاذ پر خاصا جوہر دکھایا ہے۔

لیکن امرِ واقعہ بہرحال یہی ہے کہ تحریک اسلامی کے یہ ممتاز فرد۔ منافقین کے اٹھائے ہوئے فتنہ کے

گھیرے میں آگئے۔ اس بحران میں ان کا — اپنی جگہ مخلصانہ، مگر تحریک کے لیے نہایت مضر۔ پارٹ دیکھ کر آدمی یہ درسِ عبرت حاصل کرتا ہے کہ نہ کوئی بہتر سے بہتر شخص اپنے بارے میں یہ ضمانت رکھتا ہے کہ وہ مغالطے کے کسی چکر میں نہ پڑے گا اور نہ دوسری نمایاں ترین شخصیتوں کے بارے میں وہ بے فکر ہو سکتا ہے کہ وہ کسی فتنے کے گھیرے میں نہ آئیں گی۔ ہر انسان، بڑا ہو یا چھوٹا ہر وقت شیطان کی کمان سے نکلنے والے تیروں کی زد میں ہے بلکہ فتنے ہر اہم اور بڑے آدمی کے گرد گھیرا ڈالنے کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے تحریکِ اسلامی کی دی ہوئی بنیادی فکر یہ ہے کہ اشخاص کے بجائے اصولوں کے گرد جماعت مجتمع ہو۔

عبداللہ بن ابی اور اس کے مریدوں کے لیے کتنی بڑی کامیابی یہ تھی کہ انھوں نے تحریکِ اسلامی کے ایک ممتاز فرد کو شکار کر لیا تھا — وہ نفاق کے مارے شر انگیزی کر رہے تھے اور حسان بن ثابت اخلاص کے ساتھ ان کے برپا کردہ فتنے کو تکمیل تک پہنچانے میں سرگرم تھے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ تحریک کے لیے عبداللہ بن ابی کا نفاق اتنا خطرناک اور مضر نہ تھا جتنا حسان بن ثابت کا اخلاص! جو اقدام اخلاص اور نیک نیتی سے کیے جاتے ہیں وہ ضرر رسانی میں زیادہ کامیاب رہتے ہیں۔ بمقابلہ ان اقدامات کے جو دانستہ شرارت کے طور پر کیے جاتے ہیں۔

حسان بن ثابت اس بات کا احساس نہ کر سکے کہ وہ کن لوگوں کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں، وہ کیسے افراد کے نقطۂ نظر کو پھیلا رہے ہیں، وہ کن شخصیتوں کے خیالات و عزائم کی ترجمانی کر رہے ہیں اور ان کی حرکات و سکنات معاشرے کے کس عنصر کی حمایت میں جاری ہیں اور جماعت کی کیسی ٹولی کے ہاتھ مضبوط کر رہی ہیں۔ مشیتِ ربانی تھی کہ وہ اس معاملہ میں فراستِ مومن سے کام نہ لے سکے۔

عبداللہ بن ابی کے ساتھ اسلامی معاشرہ کا معاملہ دوری اور بیگانگی کا تھا۔ اس کی کلوخ اندازی قابلِ برداشت تھی، لیکن حسان بن ثابت سے جماعت کی جو یگانگت تھی اس کی وجہ سے جذبات میں کھولاؤ پیدا ہوتا تھا، کہ ہمارے نیام کی ایک تلوار ہمارے ہی خلاف استعمال ہو رہی ہے۔ یہ صورت جب بھی کسی تحریک اور تنظیم میں پیدا ہوتی ہے تو صبر کے پیمانے لبریز ہو جاتے ہیں۔ صبر کے پیمانے لبریز ہوئے ہوں گے، مگر مسلم جماعت کا کڑا اخلاقی ڈسپلن جذبات کے آگے روک بنا کھڑا تھا۔ ایک شخصیت ایسی تھی جو ضبط برقرار نہ رکھ سکی۔ یہ صفوان

بن المعطل تھے جن کو ایک طرف یہ صدمہ تھا کہ حضرت عائشہؓ جو ان کے لیے بمنزلہ ماں کے تھیں ان پر تہمت لگائی جارہی ہے اور دوسری طرف یہ کرب کہ افسانے کا دوسرا سرا خود ان کی ذات سے جوڑا گیا تھا۔ وہ شخص کہ جو اصحابِ بدر میں سے تھا، جس نے تحریک کی خدمات سرانجام دی تھیں، جو جتی ستی ہونے کے لحاظ سے معروف تھا، جس کے کردار میں آج تک کوئی آثارِ فسق و فجور کے نہ پائے گئے تھے اور جس نے ایک بشر میلے بیٹے کی حیثیت میں حضرت عائشہؓ کو دیکھے بغیر اور سارے راستے بات کیے بغیر پوری احتیاط کے ساتھ پچھلے پڑاؤ سے لشکر گاہ تک پہنچایا تھا، اس کا خون اس زیادتی پر بری طرح کھولا۔

صفوان نے حضرت حسان کے کچھ اشعار سُنے جو منافقین کے لگائے ہوئے بہتانِ عظیم پر مشتمل تھے زبان حضرت حسان کی تھی جسے وقتی طور پر اشرار کے خیالات نے مستعار لے لیا تھا۔ فن ان کا تھا اور ذہن غیروں کا بول رہا تھا۔

صفوان کی ان سے جھڑپ ہوگئی اور انھوں نے تلوار سے وار کر دیا۔ ثابت بن قیس بن شماس نے موقع پر بچاؤ کیا اور صفوان کو پکڑ کر باندھ لیا اور بنی حرث کی حویلی میں لے گئے۔ آخر یہ قضیہ محسنِ انسانیت کی خدمت میں پہنچا۔ حسان اور صفوان دونوں کی طلبی ہوئی۔ صفوان نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول! اس شخص نے مجھے اذیت دی ہے اور میرے حق میں سخت بدگوئی کی ہے، سو مجھ پر غصہ سوار ہوا اور میں نے اسے مارا"۔ آپؐ نے ملائمت سے حسان کو سمجھایا بجھایا اور بعد میں صفوان کی طرف سے تلوار کے زخم کے بدلے دیت دلوائی[1]

صفوان کی غیرت چونکہ بالکل فطری تھی، سو حسان بن ثابت نرم پڑ گئے اور خدا نے ان کو اس خطرے سے بچا لیا کہ وہ کسی غلط جذبے کی رَو میں آگے ہی آگے بہتے چلے جاتے اور تحریک کے لیے مزید موجبِ ضرر ہوتے حضرت حسان کا جذبۂ ندامت آخر ایک قصیدے کی صورت میں امڈ پڑا جس میں شعر کے پانی سے انھوں نے اپنے ہی لگائے ہوئے دھبے کو حضرت عائشہ کے دامنِ پاک سے دھونے کی کوشش کی۔

کیا خوب فرمایا:

حَصَانٌ، رَزَانٌ مَا تُزَنُّ بِرِيبَةٍ
وَتُصْبِحُ غَرْثَى مِنْ لُحُومِ الْغَوَافِلِ

[1] سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۳۵۲

مُهَذَّبَةٌ قَدْ طَيَّبَ اللّٰهُ خِيمَهَا !

وَطَهَّرَهَا مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَّبَاطِلِ !

فَاِنَّ الَّذِیْ قَدْ قِیْلَ لَیْسَ بِلَائِطٍ

وَلٰكِنَّهٗ قَوْلُ امْرِئٍ بِیْ مَاحِلِ

"وہ ایک عفت مآب خاتون ہیں ۔ پردہ نشین ۔ ہر شک وشبہ سے بالاتر ! وہ اس سے پاک ہیں کہ بھولی بھالی عورتوں کے عزت وناموس سے تعرض کریں ، وہ شائستہ اطوار ہیں ، خدا نے ان کو مزاج کے لحاظ سے نکھارا اور نتھارا ہے اور ان کو گناہ اور باطل سے پاک کیا ہے ، وہ جو کچھ کہ اب تک کہا جا چکا ہے وہ موصوفہ پر چسپاں ہونے والا ہرگز نہیں ہے ، وہ تو ایک ایسے شخص کی کہی ہوئی بات تھی جس نے میرے سامنے نمک مرچ لگا کر اور جھوٹ گھڑ کر چغل خوری کی تھی"[1]

پھر سورۂ نور نے ایک معاشرتی حقیقت کو اصولی استدلال کے طور پر مسلم جماعت کے سامنے کھول کر رکھا کہ :

"خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے ۔ پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ۔ اُن کا دامن پاک ہے اُن باتوں سے جو گھڑنے والے گھڑتے ہیں" (آیت ۲۶)

یعنی ازدواج کے لیے یوں بھی ذہنی واخلاقی لحاظ سے جوڑ تلاش کیا جاتا ہے اور نفسیاتی طور پر آدمی کی نگاہِ انتخاب وہیں ٹکتی ہے جہاں اسے اپنے کردار کا عکس نظر آتا ہے ۔ خصوصیت سے کسی اصول ومقصد کو لے کر جو لوگ ساری متاعِ حیات اس میں لگا دیتے ہیں وہ ازدواجی رابطے کے لیے بھی ایسا ہی رفیق تلاش کرتے ہیں جو زندگی کے مشن میں ممد اور مفید ثابت ہو سکے ۔ پھر عالمگیر پیمانے کی یہ تجربی صداقت کیسے نظر انداز کی جا سکتی ہے کہ نباہ اور صلح وسازگاری کسی جوڑے میں جبھی ہوتی ہے کہ قلب ونظر کا جوڑ میل پیدا ہو جائے اور ذہن وکردار میں یکسانی ہو ، ورنہ از اول تا آخر تصادم رہے گا ۔ یہ آیت بہتان طرازوں کو دعوتِ فکر دیتی ہے کہ تم نے یہ نہ دیکھا کہ دائرۂ ازدواج میں تحریکِ اسلامی کے

[1] سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۳۵۴-۳۵۵

بلند مرتبت رہنما کی نگاہِ انتخاب جس ہستی پر پڑی تھی جس سے گہرا قلبی لگاؤ تھا اور جس کے ساتھ قلب و نظر کی سازگاری و ہم آہنگی ایک معیاری نمونہ تھی وہ کیا تمام تر ملمع کا کرشمہ تھی کہ ایک آن میں ملمع اتر گیا اور کھوٹ باقی رہ گیا؟

ایک پاکیزہ گھرانے کی نورِ چشم جس کے ماں باپ تحریک اسلامی کے اولین علمبرداروں میں سے تھے اور جس کا بچپن اسی تحریک کی نت امڈتی گھٹاؤں کے سائے میں تربیتِ فکر و نظر پاتے گزرا پھر جسے سرکارِ رسالتمآب کے ساتھ یکجائی کا شرف حاصل ہوا، جسے قریب ہو کر آپؐ کے نورانی کردار سے استفادہ کرنے کا سب سے بڑھ کر موقع ملا، جسے محسنِ انسانیت کی تربیت کا فیضانِ خاص حاصل ہوا اور جس کے تجربے میں بارہا وحی والہام کی کرنوں کی بوچھاڑیں ہوتی رہیں۔ کیا ایسے پاکیزہ ماحول کے سانچے میں ڈھلی ہوئی خاتون کا کردار ایسا ہونا چاہیے تھا کہ ایک غلیظ ترین بہتان کا جامہ اس کے قامت پر راست آجائے؟ درآنحالیکہ اس کے والدین کو اور نہ سرورِ عالم کو اور نہ عام معاشرے کو اس کے بارے میں اس بہتان طرازی سے قبل ایسا کوئی اندازہ ہو سکا ہو۔ برسوں سے ایک کردار جو حسن و پاکیزگی کے خطوط پر ارتقا کرتا رہا ہو، یہ کیسے ممکن ہے کہ یکایک اس کے اندر سے ایک بدترین قسم کی گھناؤنی حرکت نمودار ہو جائے کہ جس کے کوئی ابتدائی آثار کبھی کسی کے سامنے نہ آئے ہوں۔ ایک شجرۂ طیبہ کمالِ شادابی کے ساتھ پاکیزہ برگ و بار دیتے دیتے یکایک ایک دن خبیث پھل لے آئے۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے؟

قانون حرکت میں آتا ہے | سورۂ نور کی روشنی سے اہلِ ایمان کے دلوں کی نگریاں جگمگا اٹھیں، رائے عام یکسو ہو گئی، معاشرہ نے مدوجزر کے ایک لمبے دور کے بعد اپنی سطح کو پرسکون اور ہموار کر لیا۔ سورۂ نور حدِ قذف کے قانون کا کوڑا اپنے ساتھ لائی تھی، سو جن جن اصحاب نے سرگرمی سے بہتان طرازی کی اس مہم میں حصہ لیا تھا اور جو اپنے اخلاص کی وجہ سے نادم ہو کر جرم کے اقراری بھی ہوئے اور جن کے بارے میں شہادت بھی موجود تھی انھوں نے اپنی پیٹھیں اسلامی نظامِ عدل و قانون کے سامنے پیش کر دیں اور اسی اسی کوڑے کھا کر انھوں نے اپنے ضمیروں کی پاکیزگی کو بحال کر لیا۔ یہ تھے مسطحؓ ابن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش لیکن اصل بانی شر و فساد قانون کی گرفت سے بچ نکلا! ــــ البتہ رائے عام کی نگاہ میں اس کی فطرت کی

پستی مکمل طور پر آشکارا ہوگئی اور اسلامی معاشرے نے اسے بے وقعت بنا کر ایک طرف ڈال دیا۔

غلطیاں کس سے نہیں ہوتیں اور کس ماحول اور کس جماعت میں انبیا کے خصوصی استثنیٰ کے ساتھ انسانی فطرت مقامِ امتحان سے نکل کر عصمتِ کاملہ کی قدسیانہ سطح پر پہنچ سکتی ہے لیکن قصۂ آدم کے دو متقابل کرداروں کی روشنی میں دیکھیں تو غلطی سرزد ہوجانے پر غلط کار کے سامنے دو راستے کھل جاتے ہیں۔ ایک شیطان کا پسندیدہ راستہ ـــ کہ غلطی ہوجانے کے بعد اس پر آدمی ڈٹ جائے اور الٹا اور بپھر جائے، دوسرا آدم علیہ السلام کی فطرت سلیم کا پسندیدہ راستہ ـــ کہ غلطی کے بعد نادم ہو کر اپنی اصلاح کر لی جائے۔ سو عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی تو شیطانی راستے کی طرف مڑ گئے اور حسان اور مسطحؓ اور حمنہ نے اصلاح کا راستہ اختیار کیا۔

عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد | سلسلۂ واقعات کو نگاہِ تصور میں تازہ کریں اور اپنے آپ کو مدینہ کے اس ماحول میں لے جائیں جس میں یہ بہتان کا جھکڑ مہینہ بھر چلتا رہا تھا تو ایک ہولناک اور دردناک سماں سامنے آتا ہے۔ ایک تحریک جو ایک ایک فرد کو آہستہ آہستہ ساتھ لے کر ایک چھوٹے سے کاروانِ انقلاب کی شکل اختیار کر سکی تھی جس نے کتنی ہی مردآزما منزلوں کو پار کرکے اسلامی ریاست کا ایک چھوٹا سا گھروندا انسانیت کو پناہ دینے کے لیے سالہا سال کے لمبے دورِ فساد کے بعد کرۂ ارضی کے ایک گوشے میں تیار کیا تھا، جو چاروں طرف سے دشمنوں کی زد میں تھی اور جس کو ہر آن کسی نہ کسی جانب سے فوج کشی کا خطرہ تھا اور جو خود اپنے غیر مسلم شہریوں کی ایک بڑی تعداد کی شرارتوں کے گھیرے میں تھی، اس کے بالکل اندرون سے اگر ایک تباہ کن طوفان ابل پڑے، تو اس سے بڑھ کر اور کونسا موقعِ اضطراب ہو سکتا تھا۔

لیکن قرآن نے تسلی دلائی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ـــ "اسے اپنے حق میں موجبِ ضرر نہ سمجھو، یہ تو تمھارے لیے بھلائی کا ذریعہ ہے"۔ (نور - ۱۱)

اور واقعہ یہ ہے کہ اصولی و انقلابی تحریکوں کے لیے ذہنی شکست و ریخت کے ہنگامے ـــ خواہ باہر سے اٹھیں، خواہ اندر سے ـــ انجام کار کے لحاظ سے مزید فلاح و ترقی، تعمیر و اصلاح اور قوت و سطوت کا سامان بن کے رہتے ہیں۔ جس طرح اونچا مقصد رکھنے والے صلاحیت دار افراد کے لیے حوادثِ روزگار معادنِ ترقی

ہوتے ہیں اسی طرح روحِ فکر و عمل رکھنے والی تحریکوں کے لیے مخالفتوں اور مزاحمتوں اور فتنوں کے طوفان وسیلۂ استحکام و ارتقا بن جاتے ہیں۔ جس نظامِ جماعت میں نصب العین کا شعور کارفرما ہو، جس کا ایک اجتماعی ذہن بن چکا ہو، جس کا فکری و اخلاقی مزاج پختہ ہو چکا ہو، جس کے سر پر ایک فعال اور بیدار مغز قیادت بیٹھی ہو اور جس میں فتنوں اور مخالفتوں کے سرحد پر نظر رکھنے والے، طوفانوں کو تہ تک پڑھ لینے والے اور ان کے مقابل میں سینہ سپر ہو جانے والے مضبوط کارکن موجود ہوں اور جس کی رائے عام کسی فاسد نظریہ و اقدام کو اپنے دائرے میں چلنے نہ دے۔ وہ نظامِ جماعت ہر مخالفت و شرارت سے بھی کچھ کما کر نکلتا ہے۔

چنانچہ پروپیگنڈے کے اس گندے طوفان کی موجوں سے بھی مدینہ کی اس عظیم المرتبت اسلامی جماعت نے کئی پہلوؤں سے اپنے دامن میں خیر و فلاح کے موتی سمیٹے اور وہ اس سے نکلی تو پہلے سے زیادہ مضبوط اور پہلے سے زیادہ چاق و چوبند تھی۔

نیکی اور سچائی کی اس نورانی تحریک کے علمبرداروں کو انسانیت کی ان خطرناک اور وسیع الاثر کمزوریوں کا علم براہِ راست تلخ تجربے کے ذریعے ہوا جس کا تصور بھی کسی خانقاہ میں بیٹھ کر نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے انسانی سیرت کو تیار کیا جا سکتا ہے۔ جماعتی زندگی کے وہ رخنے پوری طرح سامنے آ گئے جن میں سے معاشرے کو تہ و بالا کر دینے والے مفاسد کا داخلہ ہوتا ہے۔ حضور سرورِ عالم اور ان کے رفقا کے سامنے جماعت کے مختلف عناصر۔ نفاق کے روگی، ضعیف الایمان لوگ، سطحی اور جذباتی مزاج رکھنے والے، نیک نیتی کے ساتھ کسی غلط رَو میں بہہ جانے والے اور دشمنوں کا شکار ہو جانے والے سادہ لوح افراد۔ سبھی الگ الگ نمایاں اور ممیز ہو گئے۔ خصوصیت سے نفاق کے شیطان نے جماعت کے اندر جو ایک الگ ٹکڑی منظم کر دی تھی اس کے بارے میں پوری طرح وضاحت ہو گئی کہ وہ کہاں تک جا سکتی ہے۔

عملی تجربے کے میدان میں جماعت کے اندرونی ماحول کی ان کمزوریوں کے سامنے آ جانے سے وہ خاص ذہنی کیفیت پیدا ہوئی جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک طرف نئی اخلاقی ہدایات دے کر تربیت کا انتظام کیا گیا اور دوسری طرف ایسے معاشرتی احکام کا نفاذ کیا گیا جو گوناگوں مفاسد سے جماعت کو بچانے کا ذریعہ

ہو سکتے تھے۔ تیسری طرف نئے قوانین اور حدود و تعزیرات پر مشتمل ایک کڑا ضابطہ نازل ہوا جو ہمیشہ کے لیے انسانیت کی اجتماعی فلاح و بہبود کا ضامن بنا۔

اس واقعہ نے مدینہ کی سوسائٹی کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیا، اس کی اخلاقی حس کو چوٹیں لگا کر بیدار اور اس کی جماعتی حمیت و غیرت کو تازیانے برسا کر متحرک کر دیا۔ پوری جماعت نفاق کے اس اضطراب انگیز حملے سے نکلی تو اس کا ایک ایک فرد پہلے سے زیادہ چوکنا اور مضبوط تھا۔

اس ہنگامہ کے طوفان سے گذرتے ہوئے حضرت عائشہؓ کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ مظلوم ذات خود محسنِ انسانیت ہی کی تھی، لیکن جس عالی ظرفی، حوصلہ مندی اور صبر و تحمل کا مظاہرہ حضورؐ نے اپنے ٹھنڈے سے غیر جذباتی اور باوقار طرزِ عمل سے کیا وہ انسان کو حیرت میں ڈال دینے والا ہے اور اس میں حضورؐ کے بعد اسلامی تحریک اور نظامِ جماعت کی قیادت کرنے والوں کے لیے ایک جذبہ پرور نمونہ پایا جاتا ہے۔ کتنی بڑے پیمانے کی ایذا تھی جو سہنے والے نے محض اس قصور میں سہی کہ وہ دنیائے انسانیت کو ایک نظامِ رحمت سے مالا مال کرنا چاہتا تھا۔ وہ جو سارے انسانوں کے ناموس بچانے کے لیے اٹھا تھا اسے زمانے نے صلہ یہ دیا کہ خود اس کے ناموس پر گندگی اچھال دی۔ کوئی دوسرا اس چکر میں پڑا ہوتا تو یا تو مخالفین کو پیس کر رکھ دیتا، یا پھر بیزار اور مایوس ہو کر گوشہ نشین ہو جاتا۔ مگر وہ پیکرِ صبر و عزیمت فرض کی راہ پر چلتا رہا، چلتا رہا —— کانٹے اس کے قدموں کو لہولہان کرتے رہے اور وہ پھر بھی آگے ہی بڑھتا رہا۔

سیرتِ پاک کا یہ سلسلۂ مضامین بعض پریشانیوں کے سبب یہاں آ کر رک گیا ہے۔ ایک عرصہ سے آگے کا کام نہیں کیا جا سکا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ دوبارہ کب اسے بحال کیا جا سکے گا۔ فی الحال یہ سلسلہ یہیں ختم کیا جا رہا ہے۔ (ن۔ص)